(غلام گردش)

ساڑھے تیرہ اگست!

چودہ اگست دو دن پہلے آیا، مکمل طور پر روایتی طریقے سے گزر گیا۔ وہی اُدھورے سے نعرے، وہی حد درجہ خوشی کا تاثر دینے کی سرکاری اور غیر سرکاری کوشش اور وہی نمائش۔ قومی آزادی کا دن سب سے اہم ہوتا ہے۔ واقعی مسرت کا لمحہ ہوتا ہے۔ اس پر کوئی دو رائے نہیں ہوسکتی۔ ہونی بھی نہیں چاہیے۔ آزادی کا مطلب کیا ہے۔ یہ ذرا آج کی مغلوب قوموں سے پوچھ کر دیکھیے۔ دنیا کی سب سے بڑی نعمت ہی آزادی ہے۔ کسی بھی تصنع کے بغیر ملکی زندگی کا سب سے اہم دن۔ مگر آزادی کے کچھ مقاصد ہوتے ہیں۔ آزادی ایک بہت عظیم منزل ہے مگر پھر یہ ایک نشان بن جاتی ہے۔ وعدوں اور ترقی کی ایک شاہرہ کا روپ دھار لیتی ہے۔ خوشحالی، توانائی اور سنہری تعبیر بن جاتی ہے۔ سوال حد درجہ اہم ہے۔ آزادی کے حصول کے بعد کیا ہونا چاہیے تھا اور حقیقت میں کیا ہو رہا ہے۔ کیا واقعی ہم لوگ اس عظیم نعمت کے اہل بھی تھے یا نہیں۔ کیونکہ اس نعمت خداوندی کو جس طور پر ہماری قوم نے استعمال کیا ہے اس سے ذہن میں صرف اور صرف سوالات اُبھرتے ہیں۔ جنکا کسی قسم کا کوئی جواب نہیں ملتا۔ دلیل پر سوال کرنا بھی اس ملک میں موت کو دعوت دینا ہے۔ مگر سوال نہ پوچھے جائیں تو زندگی اور موت میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا۔

تاریخ کی گہری وادی میں جائے بغیر چند آسان باتیں ضرور کرنا چاہونگا۔ یہاں ایک اور مسئلہ بھی ہے۔ جس طرح کی تاریخ ہمیں پڑھائی اور سمجھائی گئی ہے اس میں حد درجہ ابہام اور عجیب قسم کی مبالغہ آرائی ہے۔ اصل میں جو کچھ ہوا اور جو بتایا گیا، ان دونوں میں حد درجہ فرق ہے۔ یہاں تو کوئی بھی جرات نہیں کرسکتا، کہ ہماری تسلیم شدہ تاریخ کو بھرپور حقائق سے دوبارہ لکھنے کی ہمت کرے۔ یہ حد درجہ مشکل کام ہے۔ طالبعلم کی دانست میں اب یہ کام، کم از کم، اس خطے میں رہ کر نہیں کیا جاسکتا۔ اس گھمبیر معاملے کو چھوڑیئے۔ صرف اپنے آپ سے ایک سوال کیجئے۔ جن مقاصد کو حاصل کرنے کیلئے ہم نے آزادی حاصل کی تھی۔ کیا واقعی وہ عظیم مقاصد حاصل کر لیے گئے ہیں۔ یا اب ان مقاصد کا ذکر کرنا بھی قدرے مشکل ہو گیا ہے۔ گزارشات تو بہت ہیں۔ مگر کی نہیں جاسکتیں۔ اس معاملے کو مزید آسان کر لیجئے۔ کیا واقعی ہم آزاد ہیں؟ طالبعلم کا جواب مکمل طور پر نفی میں ہے۔ پہلے ہم برطانیہ کی کالونی تھے۔ اب ہم دیگر ملکوں کی چراگاہ ہیں۔ کیا چین، کیا امریکہ، کیا سعودی عرب۔ ذکر کرتے ہوئے بھی دکھ ہوتا ہے۔ کیونکہ ان میں سے کسی ملک نے آزادی حاصل کرنے میں ہماری کوئی مدد نہیں کی تھی۔ مجھے ایک بھی واقعہ یاد نہیں۔ جس میں قائداعظم نے چین یا امریکہ کی طرف سے آزادی کیلئے معمولی سی بھی مدد مانگی ہو۔ مجھے کوئی ایسا مرحلہ یاد نہیں ہے کہ جس میں 1947 کی مسلم لیگ کی قیادت، خادمین حرمین شرفین کی قدم بوسی کیلئے گئی ہو۔ آزادی کیلئے دعا کروائی ہو۔ محمد علی جناح اور انکے ساتھی ایک سیاسی عمل سے کشید شدہ لوگ تھے۔ انہوں نے کسی بیرونی طاقت کی مدد کے بغیر، اپنی محنت اور بصیرت سے نیا ملک کھڑا کر دیا۔ مگر وہی آزاد ملک، آج مختلف طاقتور ملکوں کا زرخرید غلام ہے۔ کوئی ہمیں بھیک دے رہا ہے۔ کوئی اپنی ترقی کیلئے ہمارے ملک میں سڑکیں بنا رہا ہے اور کوئی ہمارے مذہبی جذبات کو بھڑکا کر فرقہ پرستی کی آگ میں جھلسا رہا ہے۔ یہ سچ حد درجہ تلخ ہے۔

ہمارے عظیم قائد نے نئی مملکت کے مقاصد متعدد بار بیان کیے ہیں۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ قائداعظم کی بے وقت موت کی وجہ سے پاکستان کو ایک نیا آئین جلد نہ مل سکا۔ انکی رہنمائی کی محرومی سے ملک ترقی نہ کر پایا۔ یہ صرف آدھا سچ ہے۔ ہر موت بے وقت ہوتی ہے۔ یہ خدا کا قانون ہے۔ مگر قائداعظم نے تو انتہائی تفصیل سے نوزائیدہ پاکستان کے خدوخال بیان کیے تھے۔ ایک مرتبہ نہیں، بلکہ لاتعداد بار۔ انکی وفات کے بعد جن لوگوں نے حکومت سنبھالی، انہیں اس عظیم آدمی کے فرمودات اور فیصلوں سے قطعاً کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ لفظی طور پر تو وہ محمد علی جناح کی ستائش کرتے رہے۔ مگر عملی طور پر ہر وہ کام کیا، جو اس شخص کے فرامین کے مخالف تھا۔ دراصل بابائے قوم کی عملی تضحیک تھی۔ یہ بلا روک ٹوک کے جاری رہی۔ انتہائی معذرت کے ساتھ، آج بھی کسی نہ کسی رنگ میں جاری ہے۔ سادہ سی مثال ہے۔ قائد نے اقربا پروری کی بھرپور مخالفت کی تھی۔ انکی ہر دوسری تقریر میں اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کو نوازنے سے نفرت کا اظہار کیا گیا تھا۔ اگر آپ خود اسکو پڑھنا یا دیکھنا چاہتے ہیں تو قائد کے متعلق کوئی بھی مستند کتاب اُٹھا لیجئے۔ اقربا پروری کو ایک ناسور قرار دیا گیا ہے۔ آج کے پاکستان پر عامیانہ سی نظر ڈالیے۔ ہوش ٹھکانے آ جائینگے۔ سیاسی پارٹیوں کی طرف دیکھیے۔ کوئی بھی ایسی سیاسی جماعت نہیں ہے جس میں موروثیت نہ ہو۔ ہاں، جماعت اسلامی میں ''امیر'' وراثت کے ذریعے نہیں بنتا۔ پیپلز پارٹی، نواز لیگ، جمیعت علماء اسلام فضل الرحمٰن گروپ، اے این پی، باپ، بیوی، بیٹا، بیٹی یعنی صرف اور صرف خاندان کی لیڈرشپ کے اُصول پر زندہ ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ باپ اگر لیڈر رہے، تو وہ بہترین علاج کی وجہ سے فوت ہونے سے عملاً انکار کر دیتا ہے۔ وہ دنیا کے مہنگے اور اعلیٰ ترین ہسپتالوں میں علاج کروا کر بڑے آرام سے نیم صحت مند رہتا ہے۔ اگر لقمہِ اَجل بن بھی جائے، تو بیٹا یا بیٹی بالکل تیار کھڑے ہوتے ہیں، انہیں فوری طور پر متبادل لیڈر بنا دیا جاتا ہے۔ سیاسی جماعت میں مخلص کارکنوں پر حد درجہ عدم اعتماد کیا جاتا ہے۔ اگر اقتدار کی ہمہ بیٹھی ہے تو صرف اور صرف اہل خانہ پر۔ باقی سب تالیاں بجانے کیلئے رکھے ہوتے ہیں۔ صرف ایک اسی نکتہ پر غور کیجئے۔ کیا یہ قائداعظم کے اقربا پروری کے خلاف حکم کی بھرپور خلاف ورزی نہیں ہے۔ جناح صاحب، اگر سیاسی موروثیت کے حق میں ہوتے، تو محترمہ فاطمہ جناح کو اپنا سیاسی جانشین مقرر کر دیتے۔ مگر انہوں نے ہرگز ہرگز ایسا نہیں کیا۔ انکے بھائی، بہنوں میں سے کسی کو بھی سیاست میں آنے کی جرات نہیں تھی۔ یہ ہے بلند کردار اور عظمت۔ مگر آج ہم مکمل طور پر اس عظیم شخص کے حکم کا مذاق اُڑا رہے ہیں۔ بس تسلیم نہیں کرتے۔

یقین فرمائیے۔ قائداعظم کے اقوال میرے سامنے موجود ہیں۔ پڑھنے کے بعد شرمندہ ہو رہا ہوں۔ لکھنے کو تو بہت سی چیزیں ہیں۔ مگر ان جملوں کو بیان کرنا چاہتا ہوں جو زبان زدِ عام ہیں۔ قائد نے ''ڈسپلن'' یعنی نظم وضبط کے بارے میں کہا تھا کہ اس جوہر سے مشکل سے مشکل ترین منزل حاصل کی جا سکتی ہے۔ دل پر ہاتھ رکھ کر خود سوچیے۔ کیا نظم وضبط نام کی کوئی چیز ہماری قوم میں موجود ہے۔ برا نہ منائیے گا۔ ہم لوگ تو سیدھی قطار نہیں بنا سکتے۔ ہم تو ایک قطار میں کھڑے ہونے کی توفیق نہیں رکھتے۔ بے ترتیبی کی اس سے چھوٹی مثال اور کیا ہوگی۔ ریلوے سٹیشن، بس اڈا، سینما گھر یا کسی بھی پبلک جگہ پر چلے جائیے۔ لوگ کہنیاں مارتے ہوئے آپ سے آگے نکل جائینگے۔ اگر تھوڑا سا بھی ظرف دکھاتے ہوئے کسی قسم کی قطار میں کھڑے ہونے کی جرات کر بھی لیں۔ تو آپ ہمیشہ آخر میں

رہینگے ۔لوگ بڑی تسلی سے آپ کے آگے کھڑے ہوتے جائینگے۔کسی بھی جگہ کی مثال لے لیجئے۔نظم وضبط کی عدم موجودگی کا شدت سے احساس ہوگا۔اکثر دیکھا ہے، کہ ابھی ہوائی جہاز ائیر پورٹ پر لینڈ کر کے حرکت میں ہوتا ہے۔متعدد مسافر، اپنی نشستوں کو چھوڑ کر سامان ہاتھ میں لیے دروازے کی جانب چلنا شروع کر دیتے ہیں۔بار بار منع کرنے کے باوجود بھی باز نہیں آتے۔کیا واقعی، اس قوم میں ڈسپلن نام کی کوئی چیز موجود ہے۔زبانی طور پر تو قائد کی حد درجہ تعریف کرتے ہیں۔مگر عملی طور پر انکے ہر حکم کی تذلیل کرتے ہیں۔پھر کسی شرمندگی کے بغیر خوب خوش رہتے ہیں۔

جناح صاحب نے پوری زندگی معاشی ناہمواری کی مذمت کی ہے۔علی گڑھ یونیورسٹی سے لیکر بمبئی اور دیگر اہم خطابات میں بار بار کہا ہے کہ ہم ایک ایسے ملک کو حاصل کرنے جا رہے ہیں جہاں مسلمانوں کو زیرِ دست نہیں رکھا جا سکے گا۔نئے ملک میں کوئی معاشی استحصال نہیں ہوگا۔ٹھہر جایئے۔سوچیے۔1947 سے پہلے کاروبار پر ہندو چھائے ہوئے تھے۔عام مسلمان اقتصادی طور پر بدحالی کا شکار تھا۔مگر آج کیا حالات ہیں۔پورا معاشی نظام، چند سفلی خاندانوں کے ہاتھوں میں یرغمال ہے۔کھاد کے کارخانوں سے لیکر، بجلی گھروں تک۔چینی کی ملوں سے لیکر زمین کی خرید وفروخت تک۔کوئی مٹھی بھر خاندان ہیں، جو تمام وسائل پر قابض ہیں۔ان میں سے اکثریت اپنے مالی مفادات کی حفاظت کیلئے سیاست سے وابسطہ ہیں اور بھرپور طریقے سے کامیاب ہیں۔ذاتی ہوائی جہازوں میں سفر کے علاوہ کسی ائیر لائن میں سفر کرنا اپنی توہین سمجھتے ہیں۔یہ سینکڑوں محافظوں کے درمیان رہتے ہیں اور خوب اچھی طرح رہتے ہیں۔قائد کے حکم کے برعکس، عام آدمی معاشی طور پر آج بھی انہی کا غلام ہے۔ہندوؤں کی غلامی سے نکل کر ہم مسلم سیٹھ کی چوکھٹ پر سرنگوں ہیں۔جو استحصال ماضی میں تھا آج بھی مکمل طور پر جاری ہے۔

کیا کیا لکھوں اور کیونکر لکھوں۔چودہ اگست آیا اور بینڈ باجے میں گزر گیا۔نوجوانوں نے موٹر سائیکل کے سائیلنسر نکال کر خوب کرتب دکھائے۔چین کی بنی ہوئی پلاسٹک کی توتیوں سے خوب ہلا گلا ہوا۔ٹی وی پر لاتعداد، بے مقصد سے پروگرام کیے گئے۔پروگرام کا لفظ مناسب نہیں۔تماشے کیے گئے۔مگر کسی ایک نے ہمیں یہ بتانے کی جسارت نہیں کی، جرات نہیں کی، کہ ہمارا پورا ملکی نظام، قائداعظم کے فرمودات اور احکامات کے منافی چل رہا ہے۔اور دھڑلے سے چل رہا ہے۔اقربا پروری، کرپشن، نظم وضبط کی عدم موجودگی، معاشی ظلم سب کچھ ڈنکے کی چوٹ پر ہو رہا ہے۔دراصل ابھی تک ہم محمد علی جناح کے بتائے ہوئے اُصولوں کی طرف گامزن ہی نہیں ہو پائے۔ہمارا چودہ اگست تو اصل میں آیا ہی نہیں۔یہ تو ساڑھے تیرہ اگست ہے۔شائد سو، دوسو سال بعد محمد علی جناح کا چودہ اگست آجائے!

راؤ منظر حیات